55

ہر کام میں ہمیں دوسروں سے نمایاں غلبہ حاصل ہونا چاہئے

(فرمودہ ۲۰- مئی ۱۹۳۲ء)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

مؤمن کی ذمہ داریاں اس قدر وسیع ہیں اور اس کے مقاصد اتنے اعلیٰ اور ارفع ہیں کہ دوسرے لوگ ان کا اندازہ کرنے سے بھی قاصر ہیں اور انسانی طاقت ان کے شمار سے عاجز آجاتی ہے- یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہمارے لئے بجائے ہماری ذمہ داریوں کو تفصیل کے ساتھ گنانے کے اجمال کے ساتھ ان کو ہمارے سامنے رکھدیا ہے کیونکہ ہر انسان کی ذمہ داری دوسرے انسان سے مختلف ہوتی ہے- ہر قوم کی ذمہ داری دوسری قوم سے مختلف ہوتی ہے ہر جماعت کی ذمہ داری دوسری جماعت سے مختلف ہوتی ہے- ہر گاؤں کی ذمہ داری دوسرے گاؤں سے مختلف ہوتی ہے اور ہر شہر کی ذمہ داری دوسرے شہر سے مختلف ہوتی ہے پس یہ ممکن ہی نہیں کہ انسانی ذمہ داریوں کو تفصیل کے ساتھ انسانی فہم اور ادراک کے اندر رکھتے ہوئے بیان کیا جاسکے بے شک اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے اور وہ ہر فرد کی ذمہ داریوں کو جانتا ہے ہر جماعت کی ذمہ داریوں کو جانتا ہے ہر قوم کی ذمہ داریوں کو جانتا ہے ہر گاؤں کی ذمہ داریوں کو جانتا ہے اور ہر شہر کی ذمہ داریوں کو جانتا ہے مگر سوال یہ نہیں کہ اس عالم الغیب ہستی کے علم میں یہ تمام ذمہ داریاں ہیں یا نہیں بلکہ سوال یہ ہے کہ کیا انسان کے لئے بھی ان تمام ذمہ داریوں کو یکجائی طور پر سمجھنا ممکن ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی قویٰ اس قدر محدود ہیں کہ وہ ایک وقت میں ایک ہی کام کی طرف متوجہ ہوسکتے ہیں اور جب وہ ایک کام کر رہے ہوتے ہیں تو دوسرے کو چھوڑ دیتے ہیں اگر انسان غصے کی حالت میں ہو تو وہ رحم کے جذبات کو بھولا ہوا ہوتا ہے اور اگر وہ محبت کے جذبات لئے ہوئے ہو تو وہ غصے کی کیفیت کو نظر انداز کر دیتا ہے اسی طرح جب حکومت کے جذبات اس کے دل میں پیدا ہوتے ہیں تو انکساری کی حالت اس کے دل سے محو ہو جاتی ہے اور جب رحم

اور انکساری کے جذبات غالب ہوں تو حکومت کے جذبات دبے ہوئے ہوتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں وہ ایک ہی وقت میں عفو بھی کر رہا ہوتا ہے اور رحم بھی، سزا بھی دے رہا ہوتا ہے اور انعام بھی، اسی وقت اور اسی لحہ میں جب کہ اس کا ایک بندہ مصیبت اور دکھ میں مبتلاء ہوتا ہے شفقت اور رافت کے جذبات جس چیز کا ہم نام رکھتے ہیں اس قسم کی صفت بھی اس کے لئے ظاہر ہو رہی ہوتی ہے۔

پس ہم نہیں کہہ سکتے کہ جس وقت غضب خدا کی طرف سے نازل ہو رہا ہوتا ہے رحم نازل نہیں ہوتا یا جس وقت رحم نازل ہو رہا ہوتا ہے غضب کی صفت کام نہیں کرتی بلکہ ایک ہی وقت میں دونوں صفات پورے زور اور کامل جلال کے ساتھ ظاہر ہو رہی ہوتی ہیں اور یہی نہیں کہ مختلف وجودوں پر ان کا ظہور ہوتا ہے یعنی ایک پر اگر رحم کی صفت نازل ہو رہی ہوتی ہے تو دوسرے کے لئے خدا کے غضب کی صفت کام کر رہی ہوتی ہے۔ بلکہ بسا اوقات ایک ہی انسان پر ایک ہی وقت میں خدا تعالیٰ کی دونوں صفات نازل ہو رہی ہوتی ہیں اور نازل بھی پورے زور اور قوت کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اگر ایک انسان پر خدا تعالیٰ کی صفت غضبیہ کا نزول ہو رہا ہوتا ہے تو اس پر اس کی قوت رحمت بھی نازل ہو رہی ہوتی ہے۔ مگر یہ بات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ وہ مجسم نہیں بلکہ غیر محدود ہے۔ جس قدر چیزیں مجسم ہوا کرتی ہیں۔ ان کی طاقتیں بھی محدود ہوتی ہیں۔ پس گو اللہ تعالیٰ کو تو ان چیزوں کا علم ہے مگر سوال یہ ہے کہ کیا یہ تمام چیزیں بندوں کے علم میں بھی لائی جاسکتی ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان محدود ہے اور وہ طاقتیں بھی محدود لے کر آیا ہے۔ پھر محدود وقت میں وہ جس قدر باتیں کرتا اور مختلف کام سرانجام دیتا ہے ان کا پورے طور پر سمجھنا بھی اس کے لئے ناممکن ہے۔ مثلاً نہایت ہی قلیل وقت ایک منٹ میں ایک انسان نے اپنا ہاتھ ہلایا۔ اگر اس کے ہاتھ ہلانے کا اسے پورا علم دیا جائے اور اس کی اس حرکت سے جو جو تغیرات ہوئے، ان کا ایک ایک حصہ اس کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا جائے تو ایک لمبی تفصیل کے بعد وہ اپنے ہاتھ ہلانے کی کیفیت اور اس کے ذریعہ پیدا ہونے والے تغیرات کو سمجھ سکے گا۔ لیکن اس نے صرف ہاتھ ہی نہیں ہلایا ہو گا بلکہ اسی لحہ میں پاؤں بھی ہلایا ہو گا۔ اور اگر پاؤں کے ہلنے اور ایک ایک جوڑ کی حرکت کی تفصیل سامنے رکھی جائے تو ایک لمبا وقت درکار ہو گا۔ لیکن یہیں پر بس نہیں ہو گی، بلکہ اسی منٹ میں اس کے پھیپھڑے بھی کام کر رہے تھے۔ دماغ بھی کام کر رہا تھا اور دل بھی کام کر رہا تھا۔ اور باقی اعضاء بھی کام کر رہے تھے۔ ان تمام کے ایک منٹ کے

کام کا علم بہت وقت چاہتا ہے- اب اگر انسان اپنے تمام اعمال کا پتہ لگانا چاہے تو ایک انسان کی پچاس سالہ زندگی کے تمام اعمال معلوم کرنے کے لئے بھی دس کروڑ یا دس بیس ارب سال کی زندگی درکار ہوگی تب جاکر وہ کتاب مکمل ہوگی جسے پڑھ کر وہ پتہ لگا سکے گا کہ اس نے پچاس سالہ زندگی میں کیا کیا کام کئے- اور چونکہ کاموں کی وجہ سے ہی انسان پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ انسانی کمزوری دور کرنے کا ذریعہ مقرر کردیا- یعنی نہایت ہی پاکیزہ الفاظ میں اجمال کے ساتھ ایک ایسا قانون بنادیا جسے اگر مدنظر رکھے تو اپنی زندگی کے لئے صحیح مقاصد مہیا کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے- وہ قانون قرآن مجید ہے جو یوں تو مجمل ہے مگر ایک حصہ اس اجمال کا بھی خلاصہ ہے- پھر ایک حصہ ایسا ہے جو اس خلاصے کا بھی خلاصہ ہے- مگر باوجود اس کے وہ مفصل ہے اور اس میں تفصیل کے ساتھ تمام باتوں کو بیان کردیا گیا ہے- پس ایک طرف تو ہم قرآن مجید کا نام خلاصہ رکھتے ہیں اور دوسری طرف اسے مفصّل کہتے ہیں- گویا قرآن مجید مفصّل بھی ہے اور خلاصہ بھی- خلاصہ اس لحاظ سے کہ اس کی ایک ایک آیت میں سینکڑوں مطالب پنہاں ہیں اور ایسے مطالب جو ختم ہونے میں ہی نہ آئیں ایک آیت میں بیان کردینا خلاصہ ہی کہلا سکتا ہے تفصیل نہیں کہلا سکتا- لیکن وہ تفصیل بھی ہے یعنی اس میں الفاظ ایسی ترتیب کے ساتھ رکھے گئے ہیں کہ وہ سوچنے والوں کو خودبخود تفصیل کی طرف لے جاتے ہیں بشرطیکہ ہم اپنی حالت کو قرآن مجید کے مطابق بنالیں تو چونکہ تفصیل بھی اسی میں سے نکلتی ہے باہر سے نہیں آتی، اس لئے وہ مفصّل بھی ہے- پس خلاصہ ہے اور ایسا خلاصہ کہ اس جیسا کامل خلاصہ دنیا میں کبھی نہیں ہوا اور وہ تفصیل ہے اور ایسی تفصیل کہ اس جیسی کامل تفصیل بھی دنیا میں کبھی پیش نہیں کی گئی- وہ نہایت ہی مختصر الفاظ میں ہے اور اتنے مختصر الفاظ میں کہ اس سے کم الفاظ میں اتنے مضامین بیان کرنا ناممکن ہے- اور پھر وہ اتنا واضح ہے کہ اس سے زیادہ کسی بات کو کھولا نہیں جاسکتا- مگر وہ خدا جس کی صنعتیں اور حکمتیں عجیب و غریب ہیں، اس نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے قرآن مجید کا بھی خلاصہ کیا جس کا نام سورۃ فاتحہ ہے- سورۃ فاتحہ خلاصہ ہے تمام قرآن مجید کا لیکن سورۃ فاتحہ قرآن مجید کی تفسیر بھی ہے- اس کی ہر آیت قرآن مجید کے لئے بمنزلہ کنجی ہے- اور اگر سورۃ فاتحہ کی آیات سے باقی قرآن مجید کی آیتوں کو کھولنا شروع کیا جائے تو وہ یوں کھلتی نظر آتی ہے جیسے بزاز کی دکان میں کپڑوں کے تھان کھولے جاتے ہیں- پس سورۃ فاتحہ خلاصہ ہے اور ایسا خلاصہ کہ اس جیسا کامل خلاصہ کبھی نہیں ہوا- مگر اس سورۃ کا بھی ایک خلاصہ ہے- جس کے دو حصے

ہیں ان میں سے ایک حصہ تو قرآن مجید میں آیا ہے اور ایک حصہ قرآن مجید سے باہر ہے۔ سورۃ فاتحہ کا خلاصہ جو قرآن مجید کے اندر آیا ہے وہ بِسْمِ اللّٰہِ ہے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ جو سورۃ فاتحہ کا خلاصہ ہے لیکن یہ سورۃ فاتحہ کی کنجی بھی ہے۔ اور یہ بھی ایسا خلاصہ ہے جس سے بہتر خلاصہ ناممکن ہے۔ لیکن ساتھ ہی ایسی تفصیلات بھی اپنے اندر رکھتا ہے جس کی نظیر ناممکن ہے۔

ایک بزرگ لکھتے ہیں میں ایک دفعہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کی تفسیر لکھنے بیٹھا لیکن میں ابھی ب پر ہی غور کر رہا تھا کہ مجھ پر اس قدر معارف کھلے کہ میں نے یقین کر لیا کہ اس کی تفسیر لکھنا ناممکن ہے۔ پھر اس سورۃ فاتحہ کا دوسرا خلاصہ جو قرآن مجید کے باہر آیا ہے اور جو بطور گر ہمیں سکھایا گیا ہے۔ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ خلاصہ ہے سورۃ فاتحہ کا اور خلاصہ ہے قرآن مجید کا۔ اس کے اندر ساری تفصیل ہے۔ اور اسی کے اندر سارا اجمال بھی ہے یہی کلمہ ہے جو ہر چیز کو اختصار کے ساتھ اپنے اندر لئے ہوئے ہے اور ہر چیز کو تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ[1] جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے گا جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اب اگر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اپنی ذات میں ایسا فقرہ ہوتا جس کا پڑھ لینا انسان جنت میں داخل کر سکتا تو پھر سورۃ فاتحہ کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر ہم صرف سورۃ فاتحہ پڑھنے سے جنت میں داخل ہو سکتے تو پھر باقی قرآن کی کچھ ضرورت نہیں رہتی۔ پس لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی اپنی ذات میں کوئی حیثیت ماننے اور اسے قرآن مجید یا سورۃ فاتحہ سے الگ خیال کرتے ہوئے انسان کا جنت میں داخل ہو سکنا سورۃ فاتحہ کو بے کار قرار دے دیتا ہے۔ اور سورۃ فاتحہ کو بے فائدہ ماننے سے باقی قرآن کو بے فائدہ ماننا پڑتا ہے۔ دراصل رسول کریم ﷺ نے جب یہ فرمایا مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ کہ جو شخص لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہے وہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور پھر کہا کہ قرآن مجید سے ہی انسان کی نجات وابستہ ہے۔ تو آپ نے یہ بتایا کہ کلمہ کوئی مستقل چیز نہیں بلکہ قرآن اور سورۃ فاتحہ کا ایک خلاصہ ہے۔ اور یہ ایسا مکمل خلاصہ ہے کہ جو اس پر عمل کرے گا۔ وہ قرآن پر عمل کرے گا۔ اور اس کے نتیجہ میں جنت میں داخل ہو جائے گا۔ اگر مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ کے یہ معنے نہ لئے جائیں کہ یہ کلمہ خلاصہ ہے تمام قرآن مجید کا تو قرآن باطل ہو جاتا ہے۔ اور اگر قرآن مجید کو ضروری مانیں تو اس حدیث کو باطل ماننا پڑتا ہے۔ تطبیق کی صورت یہی ہے کہ اسے قرآن مجید کا خلاصہ قرار دیا جائے اور دراصل رسول کریم ﷺ نے جو کچھ فرمایا اس کا یہی مطلب ہے کہ قرآن مجید کے تمام مطالب

اس کے اندر آجاتے ہیں۔

پس لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وہ کلمہ ہے جس کو اسلام نے اجمال کے طور پر ہمارے سامنے رکھا ہے۔ اس اجمال میں انسانی زندگی کے تمام مقاصد مخفی ہیں۔ اور ہم میں سے جتنی کسی کی سمجھ تیز ہوتی ہے اتنی ہی اس میں سے مفید باتیں نکال لیتا ہے۔ اور جتنی کسی کی عقل کمزور ہوتی ہے اسی قدر باتیں اس پر بند رہتی ہیں۔ اگر ہم اس کلمہ طیبہ کو اپنے سامنے رکھیں تو ہر قسم کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے بدنتائج سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے بعض لوگ مختلف قسم کی برائیوں میں مبتلاء ہو چکے ہوں۔ ان کو بھی لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کام دے سکتا ہے اور اگر بعض روحانی تکالیف آنے والی ہوں تو ان سے بھی انسان بچ جاتا ہے۔ یہ ایک نہایت ہی مختصر فقرہ ہے۔ مگر اس کے اندر نہایت ہی وسیع مطالب ہیں۔ اس کلمہ میں کہا گیا ہے کہ لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں۔ بظاہر کتنی چھوٹی بات نظر آتی ہے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ اس کا اتنا ہی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی عبادت نہیں کرنی چاہئے اور ہم خیال کرتے ہیں کہ ہمارے بیوی اور بچوں کے تعلقات، دوستوں اور رشتہ داروں کے تعلقات، ہمسایوں اور قرابت والوں کے تعلقات، استاد اور شاگرد کے تعلقات، حکومت اور رعایا کے باہمی تعلقات کا اس لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ ہمارا کوئی کام نہیں خواہ وہ روحانی ہو یا جسمانی۔ اقتصادی ہو یا تمدنی جس کا اس لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے تعلق نہیں۔ کیونکہ عبودیت کا تعلق محض نماز سے نہیں ہوتا۔ اور ہم صرف عبادت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور عبودیت کا اظہار نہیں کرتے بلکہ ہم اپنے ہر فعل سے اللہ تعالیٰ کی عبودیت بجالاتے ہیں اس لئے ہمارے ہر کام کا کلمہ طیبہ سے تعلق ہے۔ دنیا میں جس قدر بھی انسانی کام ہوتے ہیں وہ دو۲ رنگ کے ہوتے ہیں یا تو ان میں حکومت کا رنگ پایا جاتا ہے یا تعبّد کا یا بعض چیزوں میں حاکمانہ رنگ ہوتا ہے یا بعض میں محکومانہ یا ہم بعض چیزوں کے لئے خود خدا بنتے ہیں یا بعض چیزوں کو اپنا خدا بناتے ہیں۔ اگر ہم کسی کپڑے کے متعلق یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر وہ ہمیں میسر نہ آیا تو ہماری زندگی تلخ ہو جائے گی تو در اصل اس کپڑے کو ہم اپنا خدا بناتے ہیں۔ اسی طرح اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے اپنی بیوی کی فلاں بات نہ مانی تو وہ ہمیں ذلیل کرے گی تو اس کو ہم اپنا خدا بناتے ہیں۔ اگر ایک افسر کے متعلق ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں نقصان پہنچائے گا تو اس افسر کو اپنا خدا سمجھتے ہیں۔ اور اگر افسر یہ خیال کرتا ہے کہ اگر ماتحت نے میری بات نہ مانی تو میں اسے نقصان پہنچاؤں گا تو وہ اپنے آپ کو اس کا خدا قرار دیتا ہے۔ اسی

طرح اگر تجارت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر فلاں چیز کی تجارت نہ کی تو اس دفعہ سخت نقصان پہنچے گا تو دراصل اس چیز کو اپنا خدا سمجھتے ہیں۔ اور اگر ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ تجارت میں فائدہ ہمیں اپنی عقل اور قابلیت سے ہوا تو ہم اپنی عقل کو خدا قرار دیتے ہیں۔ ایک طالب علم اگر یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اگر استاد نے نہ پڑھایا تو مجھے نقصان ہو گا تو وہ اپنے استاد کو خدا قرار دیتا ہے۔ اور اگر استاد کہتا ہے کہ میں ہی علم سکھاتا ہوں اور اگر نہ سکھاؤں تو لڑکے جاہل ہی رہیں تو وہ اپنے آپ کو ان کا خدا قرار دیتا ہے۔ غرض دنیا میں ہمارے جس قدر معاملات ہیں یا تو ان میں تعبّد کا رنگ پایا جاتا ہے یا حکومت کا۔ یا ہم دوسرے کو اپنا خدا بنا رہے ہوتے ہیں یا اپنے آپ کو دوسرے کا خدا قرار دے رہے ہوتے ہیں۔ پس ہمارا ہر کام ہمارا ہر فعل اور ہماری ہر حرکت لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ تعلق رکھتی ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں یا تو ہم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کر رہے ہوتے ہیں یا ہم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا انکار کر رہے ہوتے ہیں۔ جب ہم لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہتے ہیں تو شرعی نقطہ نگاہ سے اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں جو بھی معاملات پیش آئیں گے ان میں نہ ہم اپنے آپ کو کسی کا خدا قرار دیں گے اور نہ کسی کو اپنا خدا سمجھیں گے۔ اگر ہم افسر ہیں تو یہ خیال رکھیں گے کہ ہم افسر نہیں بلکہ حقیقی افسر اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور اگر ہم ماتحت ہیں تو خیال رکھیں گے کہ ہمارا افسر کوئی انسان نہیں، بلکہ خدا ہی افسر ہے۔ اس خیال کے ماتحت جب ہم کسی کام میں ہاتھ ڈالیں گے تو اس میں بھلائی ہی بھلائی ہو گی۔ یہی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا خلاصہ ہے۔ یہی خلاصہ سورۃ فاتحہ کا ہے اور یہی قرآن مجید کا خلاصہ ہے۔ قرآن اسی لئے نازل ہوا ہے کہ تا وہ بتائے کہ بے شک دنیا میں کام کرو، مگر اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ آخر اللہ تعالیٰ نے دنیا کو کیوں بنایا اسی لئے کہ اس کی الوہیت کا ظہور ہو۔ لیکن اگر ہم اپنے کاموں میں اپنے اسباب کو خدا بنا لیتے ہیں۔ بیوی اور بچوں کو خدا بنا لیتے ہیں۔ افسروں کو خدا بنا لیتے ہیں۔ اور اسباب کو الوہیت پر غالب کر دیتے ہیں تو ہم بجائے خدا کے ظہور کو قائم کرنے کے اس کے ظہور کو مٹانے والے ہوتے ہیں۔ اور ایسی صورت میں ہم قطعاً لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے والے نہیں ہوتے۔ پس مومن کو چاہیئے کہ وہ اپنے کاموں میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کو مقصود بنائے اور کوشش کرے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا ظہور دنیا پر ہو۔ اگر ہم اس مفہوم کو سمجھ لیں اور سچے دل سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پر عمل کریں تو میں یقین رکھتا ہوں کہ ہمارے تمام کاموں میں برکت پیدا ہو جائے۔

مجھے نہایت ہی تعجب آتا ہے کہ ہماری جماعت جو اس لئے دنیا میں قائم کی گئی ہے کہ وہ اسلام کو

زندہ مذہب ثابت کرے اور بھولی بھٹکی دنیا کو ہدایت کی طرف لائے۔ ابھی تک اس میں بہت ہیں جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے اس مفہوم کو مدنظر نہیں رکھتے۔ اسی لئے ہماری جماعت کے کاموں میں مجھے وہ برکت نظر نہیں آتی جو آنی چاہئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بحیثیت جماعت ہمارے کاموں میں برکت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت ہمارے شامل حال ہے لیکن انفرادی کاموں میں ہمیں اس نصرتِ الٰہی کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اور نہ انفرادی کاموں میں وہ برکت نظر آتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقبولوں کے کاموں میں نظر آنی چاہئے۔ حالانکہ اس خیال کے ماتحت کہ ہم اللہ تعالیٰ کے جلال کے لئے دنیا سے تعلق رکھتے ہیں ہمیں اپنے دنیاوی کاموں میں بھی دوسروں پر نمایاں فوقیت ہونی چاہئے۔ اور جس کام میں بھی ہم اپنا ہاتھ ڈالیں، ہمیں اس میں دوسروں پر غلبہ حاصل ہونا چاہئے۔ کیونکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مقصود دنیا کو یہی بتاتا ہے کہ ساری دنیا کی گردنیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔ اور جب ساری دنیا کی گردنیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں تو جو اللہ تعالیٰ سے تعلق کے دعویدار ہوں ان کے ہاتھ میں بھی ساری دنیا کی گردنیں ہونی چاہئیں۔ لیکن اگر بجائے دوسروں کی گردنیں ہمارے ہاتھ میں ہونے کے ہماری گردنیں ان کے ہاتھ میں ہوں تو کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ ہم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو مانتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ کبھی اپنے پیاروں پر دوسروں کو غلبہ نہیں دیتا۔ کیا کبھی تم نے دیکھا کہ کوئی باپ اپنے بیٹے کے پیچھے کتے ڈال دے۔ یا کسی ماں کو تم نے دیکھا کہ وہ شیر کے آگے اپنا بچہ پھینک دے۔ جب ایک باپ اپنے بیٹے کے پیچھے کتے نہیں ڈالتا اور نہ ماں اپنے بچے کو شیر کے آگے ڈالتی ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ خدا جو ماں باپ سے بہت زیادہ شفقت کرنے والا ہے وہ اپنے بندوں پر دوسروں کو مسلط کردے اور انکی گردنیں اغیار کے ہاتھوں میں دیدے۔ اگر باوجود لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کے کسی کی یہ حالت ہو تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ بظاہر وہ سمجھتا ہے کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہتا ہے لیکن دراصل اس مقصد کے مطابق اپنے آپ کو بناتا نہیں جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا ہے اور اسی لئے ان فیوض اور برکات سے محروم رہتا ہے جو اس سے وابستہ ہیں۔ بیسیوں کام ہیں جن میں ہماری جماعت سستی اور غفلت سے کام لے رہی ہے۔ لیکن وہ امر جس نے اس وقت مجھے یہ خطبہ پڑھنے پر مجبور کیا ہے ہمارے سکولوں کی حالت ہے۔ مجھے تعجب اور افسوس آتا ہے کہ اس وقت ہمارا ہائی سکول ایسے طالب علم پیدا نہیں کررہا جو سلسلہ اور اسلام کی روح لے کر کھڑے ہونے والے ہوں۔ اور جو کسی ٹھوس فلسفہ پر قائم ہوں۔ بالکل پاگلوں کی سی باتیں ہوتی ہیں نہ انہیں نیکی اور

بدی میں موازنہ کرنا آتا ہے اور نہ ان کی تربیت ایسی اعلیٰ پیمانے پر کی جاتی ہے جس طرح کرنی چاہئے۔ ان پر جب دوسرے لوگ اعتراض کرتے ہیں تب پتہ لگتا ہے کہ انکی تربیت کیسی ناقص ہو رہی ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اعتراض کرتے کہ یہ کیسے نبی ہیں جبکہ یہ بادام روغن کھاتے ہیں۔ میرے سامنے بھی بعضوں نے کہا کہ ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی ویسی نظر نہیں آتی جیسی انبیاء کی ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ نادان یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر شخص سے علیحدہ سلوک ہوتا ہے۔

سید عبدالقادر صاحبؒ جیلانی کے متعلق لکھا ہے کہ وہ نہایت ہی قیمتی لباس پہنا کرتے تھے۔ بعض دفعہ اڑھائی اڑھائی ہزار روپے کا ان کا ایک جوڑا ہوتا تھا۔ لوگ اعتراض کرتے تو آپ فرماتے میں تو کوئی لباس نہیں پہنتا جب تک خدا مجھے نہیں کہتا اے عبدالقادر! تجھے میری ذات کی قسم تو فلاں لباس پہن۔ ۲؎ اب اگر خدا کے حکم کے ماتحت ایک شخص ہزاروں روپے کا بھی لباس پہنتا ہے اور دوسرا اعتراض کرتا ہے تو معترض بیوقوف اور فلسفۂ الٰہیات سے ناواقف ہے کوئی بورڈر نہیں کہتا کہ ہمارا سپرنٹنڈنٹ جس وقت چاہے بورڈنگ سے چلا جاتا ہے اور جب چاہے آجاتا ہے لیکن ہمیں کہتا ہے کہ باہر جانے پر اجازت لو آپ تو کبھی اجازت لیتا نہیں اور ہمیں اجازت لینے کو کہتا ہے حالانکہ مساوات چاہئے۔ ایک طالب علم کبھی یہ نہیں کہتا کہ ہمارا استاد آکر خود تو کرسی پر ڈٹ جاتا ہے لیکن ہمیں بنچ پر بیٹھنا پڑتا ہے اور ہمیں کہتا ہے سبق یاد کرو۔ ہر شخص کا منصب الگ الگ ہوتا ہے۔ اور اس منصب کے مطابق ہر شخص کے کام مختلف ہوتے ہیں کسی کو خدا کسی رنگ میں آزماتا ہے اور کسی کو کسی رنگ میں۔ نادان ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کی حکمتوں پر اعتراض کرتا ہے اور اپنی بیوقوفی کی وجہ سے یہ نہیں سمجھتا کہ میں کہاں اور وہ کہاں۔ کوئی دو آدمی ایک ہی جیسی حالت کے نہیں ہوتے ایک شخص تو سیروں دودھ پی جاتا ہے اور اسے کچھ نہیں ہوتا لیکن ایک میں ہوں کہ اگر دو تولہ دودھ بھی پی لوں تو بخار چڑھ جاتا ہے اب اگر میں کہوں کہ آدمی تو ہم دونوں ہیں پھر وجہ کیا کہ وہ کئی سیر دودھ پی جاتا ہے اور میں دو تولہ بھی نہیں پی سکتا تو یہ صحیح نہیں ہوگا بے شک ہم آدمی دونوں ہیں لیکن طاقتوں میں فرق ہے اسی طرح لوگ اس امتیاز کو نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ بعضوں کو کھلاتا ہے اور بعض کو بھوکا رکھتا ہے پہلے ہمارے سکولوں میں سے جو طالب علم نکلتے تھے وہ ایسے سوالوں کا بخوبی جواب دے لیا کرتے تھے لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ ہمارے سکولوں میں سے جو طالب علم نکل رہے ہیں ان کے دماغ ایسے اعلیٰ نہیں جیسے

ہونے چاہئیں بحیثیت جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم دنیوی شعبوں میں بھی ترقی کر رہے ہیں اور سوائے محکمہ پولیس کے کہ اس میں رشوت ستانی ہوتی ہے اور اس میں ہمارے آدمیوں کا گزارہ کرنا مشکل ہے ہماری جماعت قریباً ہر محکمہ میں اپنی تعداد سے زیادہ حصہ لے رہی ہے اور جس رنگ میں ہماری جماعت مختلف محکمہ جات میں ترقی کر رہی ہے اسے دیکھتے ہوئے امید کی جاتی ہے کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہماری جماعت مختلف شعبوں میں بہت اچھا غلبہ حاصل کرلے گی یہ غلبہ مجھے افراد میں نظر نہیں آتا اور یہ تربیت کا نقص ہے اگر صحیح رنگ میں لڑکوں کے دماغوں کی تربیت کی جائے تو ان کے لئے دماغی ترقی کرنا اور مشکل سے مشکل مسائل کو سُلجھانا کچھ بھی مشکل نہیں لیکن افسوس ہے کہ لڑکوں کی تربیت کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے اسی طرح میں اپنے سکولوں کے نتائج کو دیکھتا ہوں کہ وہ نہایت ہی افسوسناک ہوتے ہیں بلکہ اس سال تو جو نتیجہ نکلا اس کے لحاظ سے ہمارے سکول نے نہایت شرمناک نمونہ دکھایا ہے طالب علم شکایت کرتے رہتے ہیں کہ استاد محنت نہیں کراتے اور جس قدر وقت دینا چاہئے وہ وقت صحیح طور پر تعلیم میں استعمال نہیں کرتے ان کی نسبت باہر کے سکولوں کے استاد بہت زیادہ محنت کراتے اور مقررہ اوقات سے زیادہ وقت دیتے ہیں چنانچہ ابھی پچھلے دنوں میرا ایک عزیز بچہ آیا ہوا تھا میں نے اس سے دریافت کیا کہ تمہیں موسمی چھٹیاں کتنی ہوتی ہیں وہ کہنے لگا چونکہ اس دفعہ مجھے دسویں جماعت کا امتحان دینا ہے اس لئے اس سال دس بارہ سے زیادہ چھٹیاں نہیں ہونگی کیونکہ چھٹیوں کے ایام میں بھی استاد محنت کراتے ہیں غرض طالب علم تو یہ شکایت کرتے ہیں کہ استاد اتنا وقت نہیں دیتے جتنا انہیں دینا چاہئے اور استاد شکایت کرتے ہیں کہ ان کے اوقات اتنے مصروف ہیں کہ انہیں پڑھائی کے لئے مزید وقت نہیں ملتا اور یہ کہ ہم تو لڑکوں سے کہتے ہیں کہ وہ آکر پڑھیں مگر وہ پڑھتے نہیں یہ اتنے متضاد بیان ہیں کہ ایک وقت میں قطعاً صحیح سمجھے نہیں جاسکتے یہ کہنا کہ استادوں کے وقت بہت لگے ہوئے ہیں اور انہیں زیادہ وقت دینا مشکل ہے اسے تو میں بالکل باطل اور لغو سمجھتا ہوں جتنا وقت وہ اس وقت تعلیم پر صرف کر رہے ہیں میرے نزدیک اس سے تین چوتھائی وقت بھی اگر وہ صحیح طور پر استعمال کریں تو اس سے نہایت اعلیٰ نتائج نکل سکتے ہیں اور لڑکوں کی تعلیم بھی مکمل ہو سکتی ہے مگر شرط یہی ہے کہ وہ وقت کا صحیح استعمال کریں اسی طرح یہ خیال کہ لڑکوں کے درس میں شریک ہونے کی وجہ سے ان کی پڑھائی کا حرج ہوتا ہے بالکل بیہودہ ہے جس درس میں وہ شامل ہی نہیں ہوتے اس کا نقصان انہیں کیونکر پہنچ سکتا ہے۔ قادیان کے

لوگوں نے یہ طریق اختیار کیا ہوا ہے کہ جن دنوں میں درس دینے لگوں ان دنوں میں کثرت سے شامل ہونگے مگر جب کوئی اور درس دے تو اس وقت شامل ہونا ضروری نہیں سمجھتے اس پر میں کہہ سکتا ہوں کہ میرے درس میں وہ مجھے سننے کے لئے آتے ہیں نہ کہ قرآن سننے کے لئے اگر قرآن سننے کے لئے آئیں تو دوسرے کے درس میں بھی شامل ہوں۔ پس جس درس میں لڑکے شامل ہی نہیں ہوتے اس کو وہ اپنے لئے آڑ کیونکر بنا سکتے ہیں۔ قرآن تو انہیں روز بلاتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طرف آؤ مگر وہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں تیری برکت منظور نہیں ہم بغیر قرآن کے ہی اچھے ہیں

پس اول تو میری سمجھ میں یہ کبھی نہیں آیا کہ جس درس میں وہ شامل نہیں ہوتے اس سے ان کی پڑھائی میں کیونکر حرج واقعہ ہو سکتا ہے اور اس سال تو میں نے درس نہیں دیا پس یہ سال تو ان کے لئے اچھا تھا وہ بہت اچھی طرح محنت کر سکتے تھے مگر نتیجہ جیسا خراب نکلا وہ ظاہر ہے۔ پھر یہ بات بھی میری سمجھ میں کبھی نہیں آئی کہ استاد کہتے ہیں ہم زیادہ وقت نہیں دے سکتے۔ اگر یہ درست ہے تو وہ کس منہ سے دوسروں پر اپنی فضیلت اور دینداری ثابت کر سکتے ہیں کیا وہ یہی کہا کرتے ہیں کہ ہم لوگ بڑے دیندار اور نہایت خدا پرست ہیں کیونکہ ہم اپنی تنخواہ کی گھنٹیوں میں ہی پڑھایا کرتے ہیں ان کے بعد کسی کو نہیں پڑھاتے ہم بڑے متقی اور خدا رسیدہ ہیں کیونکہ ہمیں اپنے طالب علموں کی تربیت کا کوئی خیال نہیں ہم بڑے پاک اور صاحب تقویٰ ہیں کیونکہ ہمیں اپنی تنخواہوں کی وصولی کا ہی خیال ہوتا ہے لڑکوں کے اچھے یا برے ہونے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ اور ہم ہی دنیا میں مسلمان جماعت ہیں کیونکہ ہمیں کوئی خیال نہیں ہوتا کہ لڑکے پاس ہوتے ہیں یا فیل۔ لیکن تم لوگ چونکہ اپنے طالب علموں کی تعلیم و تربیت پر بہت زور دیتے ہو اس لئے خدا تم سے ناراض ہے تم قطعاً اس کے حضور مقبول نہیں کیونکہ تمہارے لڑکے نہایت اعلیٰ نمبروں پر پاس ہوتے ہیں۔ کہیں جاکر ذرا یہ تقریر تو کرو کیسی نامعقول ہوگی۔ پس اگر استادوں کی یہ حالت ہے تو نہایت ہی افسوسناک ہے۔ اور اگر استاد تو کہتے ہیں کہ ہم محنت کرانے کے لئے تیار ہیں مگر ماں باپ اپنی بے جا محبت کی وجہ سے انہیں سکول کے اوقات کے بعد پڑھنے نہیں دیتے تو یہ بھی افسوسناک ہے۔ اگر کسی کا بچہ ایک سال پڑھائی میں شامل ہونے کی وجہ سے موسمی چھٹیوں میں گھر نہیں آسکتا تو اس سے انہیں کبیدہ خاطر نہیں ہونا چاہئے۔ آخر ایک انگریز ماں کا بھی ویسا ہی کلیجہ ہوتا ہے جیسا ہندوستانی ماں کا۔ مگر وہ ایک سال کے لئے نہیں بلکہ بعض دفعہ سالہا سال کے

لئے اپنے بچوں کو اپنے پاس سے اس لئے جدا کر دیتی ہیں کہ وہ تعلیم حاصل کریں۔ پس وہ ماں باپ جو اپنی اولاد کے ایسے دشمن ہیں کہ کہتے ہیں۔ بچو! چھٹیوں میں ہمارے پاس آؤ۔ ہم تمہیں کھلائیں گے تمہیں محنت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور وہ استاد جو لڑکوں کی تعلیم کی نگرانی نہیں کرتے۔ میں نہیں سمجھ سکتا وہ کس طرح لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے والے ہو سکتے ہیں۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنے کی تو ایک ہی غرض ہے اور وہ یہ کہ تمہارا یہ مقصد ہو کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی حکومت کو قائم کرو لیکن وہ لوگ جو سستی اور غفلت کو دنیا میں قائم کرنا چاہتے ہے۔ وہ تو شیطان کی حکومت کو قائم کرنا چاہتے ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ کی حکومت کو۔

میں اس نقطہ نگاہ سے اپنے سکول کے نتائج کو نہیں دیکھتا کہ ان میں سے کتنے لڑکے کامیاب ہوئے اور کتنے فیل بلکہ میں اس نقطہ نگاہ کے ماتحت دیکھتا ہوں کہ ہم خدا تعالیٰ کی جماعت کہلاتے ہیں اور ہماری ذلت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوتی ہے۔ میں انٹرنس کو انٹرنس کی حیثیت میں ایف اے کو ایف اے کی حیثیت میں بی اے کو بی اے کی حیثیت میں اور مولوی فاضل کو مولوی فاضل کی حیثیت میں نہیں دیکھتا بلکہ میں اسے اللہ تعالیٰ سے وابستگی کے لحاظ سے دیکھتا ہوں اور میں اس لحاظ سے دیکھتا ہوں کہ ان نتائج سے سلسلہ پر کیا اثر پڑتا ہے۔ میں صرف انٹرنس میں لڑکوں کے فیل ہونے کو ہی ناپسند نہیں کرتا بلکہ میں تو یہ بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ ہمارے بچے کسی کھیل میں ہار جائیں کیونکہ میں سمجھتا ہوں جب کوئی قوم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتی ہے تو اس کے افراد اور دوسری جماعتوں کے افراد میں بہت نمایاں فرق ہوتا ہے۔ بہت نمایاں فرق ہوتا ہے۔ بہت نمایاں فرق ہوتا ہے۔ کبھی کوئی شخص اس امر کو تسلیم نہیں کر سکتا کہ ایک تار کا بجلی کے ساتھ تعلق ہو اور پھر بھی اس میں کوئی اثر نہ ہو۔ اگر کسی تار میں واقعہ میں بجلی کا کوئی اثر نہیں تو دو باتوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے یا تو اس کا تعلق کبھی ہوا ہی نہیں اور اگر کبھی ہوا تھا تو اب منقطع ہو چکا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح بلکہ اس سے بھی بہت بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے تعلق کا اثر ہونا چاہئے۔ اور اگر ایسا اثر دکھائی نہیں دیتا تو اس کا صاف طور پر یہ مطلب ہے کہ ہمارا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ محض زبانی دعویٰ ہے۔

پس میں اپنے دوستوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے ان کی ناکامیاں بہت بری لگتی ہیں۔ دوستوں کی ناکامیوں کا تو کیا ذکر میں تو دشمن کی ناکامی کو بھی ناپسند کرتا ہوں۔ پس جب میں دشمن کی ناکامی کو بھی پسند نہیں کرتا تو اپنے دوستوں کی ناکامی کو کس طرح برداشت کر سکتا ہوں۔ اسی وجہ سے میری

ناراضگی ہوتی ہے۔ ورنہ میری ناراضگی کسی کی ذات سے نہیں ہوتی۔ پس میں اپنے دوستوں سے کہتا ہوں کہ وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ذرا غور سے پڑھا کریں۔ اس میں ان کے سامنے ایک مقصد رکھا گیا ہے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو انہیں عزت حاصل ہوگی اور اگر نہیں کریں گے تو اپنی عزت کو ضائع کرنے والے ہوں گے۔ کئی ہیں جو نادانی سے کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں شخص یوں کرتا ہے ہم بھی اسی طرح کریں تو کیا حرج ہے۔ حالانکہ اگر کوئی شخص ناپسندیدہ طریق اختیار کرتا ہے تو تمہیں اس سے کیا۔ تمہیں اپنے کام سے کام ہونا چاہئے۔ اگر تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور جنت کا دروازہ کھلا ہے تو کیا تم اس لئے اسے اپنے اوپر بند کرلو گے کہ فلاں شخص دوزخ کی طرف جارہا ہے، میں کیوں جنت کی طرف جاؤں۔ پس تم کیوں دوسروں کے کاموں کی طرف دیکھتے ہو۔ تم لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو اپنے سامنے رکھو اور اس میں جو مقصد بتایا گیا ہے، اسے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ میں نے کئی لوگوں کو کہتے سنا ہے جب یہ کہا جائے کہ تم ایسا کیوں کرتے ہو تو وہ کہہ دیا کرتے ہیں سارے ایسا کرتے ہیں۔ میری سمجھ میں کبھی یہ بات نہیں آئی کہ ساروں کے کرنے سے ایک کام تمہارے لئے کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ تمہارا براہ راست خدا تعالیٰ سے تعلق ہے۔ فرض کرو ساری دنیا میں کوئی روحانیت باقی نہیں رہتی اور نہ دیانت و امانت پائی جاتی ہے تو کیا اس سے یہ جائز ہوگا کہ تم بھی دیانت و امانت کو جواب دے دو۔

مجھے یاد ہے میں ایک دفعہ ریل میں سفر کر رہا تھا کہ ایک ریل کے ملازم سے جو بہت بوڑھا تھا کسی نئے ملازم نے پوچھا کہ تمہارے زمانہ میں کیا کچھ ہوتا تھا۔ وہ کہنے لگا آج کل تو اس محکمہ میں نہایت کمینے اور رذیل لوگ آگئے ہیں۔ ہمارے زمانے میں بہت شریف لوگ ہوتے تھے۔ مجھے اس کی اس بات سے نہایت خوشی ہوئی۔ اور مجھے شوق ہوا کہ میں اس کی تفصیل سنوں۔ مگر میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب اگلے فقروں میں اس نے کہا کہ آج کل ایسے کمینے لوگ آگئے ہیں کہ اگر پیسے کا بھی نقصان ہو جائے تو فوراً شور مچا دیتے ہیں کہ غبن ہو گیا۔ حالانکہ ہمارے زمانہ میں گنگا بہہ رہی تھی۔ اگر ہزاروں کا مال بھی نکال لیا جاتا تو کوئی نہ پوچھتا۔ لاکھوں روپیہ کا مال روزانہ سٹیشنوں پر سے گزرتا۔ اس میں سے اگر کچھ لے لیا تو کیا حرج ہو گیا۔ مگر اب ایسے شریف لوگ کہاں۔ اب تو سب بدمعاش آگئے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ تمہارے نزدیک بھی نیکی اور بدی کا معیار یہی رہ گیا ہے۔ اور کیا تم بھی اس قسم کی فضاء کو پسند کرتے ہو۔ تمہیں تو یہ خیال رکھنا چاہئے کہ اگر ساری دنیا بھی بدی کرے تب بھی تم نیکیوں پر قائم رہو۔ تم سے دوسروں کے متعلق سوال

نہیں ہوگا بلکہ تم سے یہی پوچھا جائے گا کہ تم نے کیا کیا۔ پس لوگوں کے پیچھے نہ چلو' بلکہ نیکی کے پیچھے چلو۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن مجید میں یہی بتایا ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان اور کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے بے شک رسول کریم ﷺ کو ہمارے لئے اسوہ حسنہ بنایا۔ مگر جواب دہی کے متعلق رسول کریم ﷺ نے فرمادیا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کا آپ ذمہ دار ہوگا۔[۳]

پس اپنے نفس کی اصلاح کرو اور اس کا طریق یہی ہے کہ تم دوسروں کے عیوب نہ دیکھو بلکہ اپنے عیب دیکھو۔ تم دوسروں کے عیب دیکھنے کی وجہ سے قیامت کے دن بخشے نہیں جاؤ گے۔ بلکہ تمہاری خوبیاں ہی تمہارے کام آئیں گی۔ اگر تم اپنی یہ حالت بنالو کہ دوسرے کے عیب نہ دیکھو بلکہ اس کی خوبیاں دیکھو اور اپنی خوبیاں نہ دیکھو بلکہ عیب دیکھو تو وہ دن تمہارے لئے عید کا دن ہوگا۔ مگر جب تک تم دوسروں کے عیب دیکھتے رہو گے اور جب تک تم اپنے عیوب کو دیکھنا پسند نہیں کرو گے' اس وقت تک جنت کا دروازہ تمہارے لئے بند رہے گا۔ کیونکہ کوئی شخص اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ دوسروں کے عیب دیکھتا رہتا ہے۔ اور کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے عیوب کی اصلاح نہیں کرتا۔ پس تمہیں اپنے عیوب نظر آنے چاہئیں اور دوسروں کی خوبیاں۔ اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے مقاصد کی نوعیت ہی بدل جائے گی۔ بے شک یہ کام آسان نہیں بلکہ بہت مشکل ہے۔ لیکن اگر ایک دفعہ انسان عزم کرلے کہ میں نے دوسرے کی خوبیاں ہی دیکھنی ہیں تو یہ مشکل بھی آسان ہو جاتی ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے نوجوانوں کو نیکی اور تقویٰ میں ترقی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے بڑوں کو بھی اس امر کی توفیق دے کہ وہ اپنے پیچھے نیکیاں چھوڑ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ نیکیاں تو اپنے ساتھ لے جائیں اور بدیوں کا بیج اپنی قوم کے لئے چھوڑ جائیں۔

(الفضل ۲۶۔ مئی ۱۹۳۲ء)

۱۔ ترمذی ابواب الایمان باب فیمن یموت ولا یشھد ان لا الٰہ الا اللہ

۲۔ سفینۃ الاولیاء مصنفہ دارا شکوہ صفحہ ۷۳

۳۔ بخاری کتاب النکاح باب المرأۃ راعیۃ فی بیت زوجھا